کالی دال

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

سعدیہ عابد

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کڑکتی دھوپ میں بنا منزل کا تعین کیے وہ ناک کی سیدھ میں چلا جا رہا تھا، وہ نہ جانے کہاں سے چلا تھا اور نہ جانے کہاں پہنچ گیا تھا، بنا سمت کا تعین کیے چلنے میں یہی دشواری ہوتی ہے کہ لمبی مسافت طے کر لینے کے بعد اور سفر کی صعوبتیں اٹھا لینے کے بعد جان لیوا انکشاف ہوتا ہے کہ وہ اب بھی تہی دست ہی ہے اور وہ زندگی میں مشکلات اٹھانے کے بعد بھی ٹوٹتا، بکھرتا، ہارتا آیا تھا مگر آج کی شکست ایسی تھی کہ وجود زندہ و قائم تھا، جینے کا احساس اور روح مردہ ہو گئے تھے، وہ چلتا ہی رہتا لیکن کسی پتھر سے بے طرح ٹکرایا، ذہن و دل منتشر تھے ہلکی سی ٹھوکر نے اسے منہ کے بل گرا دیا تھا اور گر تو وہ آج اپنی نظروں سے ہی گیا تھا یہ اور بات تھی کہ زمین سے گرا شخص و چیز تو کبھی اٹھ جاتی ہے، نہیں تو اٹھا لی جاتی ہے لیکن نظروں و مقام سے گرے لوگ کبھی نہیں اٹھ پاتے، وہ اپنے شکستہ وجود کے ساتھ اٹھ گیا تھا، اس کے ماتھے اور ہونٹ سے ہی نہیں گھٹنوں پر سے بھی خون رس رہا تھا، اس نے نظریں اپنے اطراف میں دوڑائیں تھیں، پکی سڑک تھی اور دائیں طرف دکانیں بنی ہوئی تھیں اور بائیں طرف مکانات اور ایک مسجد تھی وہ جس میکانکی انداز و غائب دماغی سے وہاں انجان جگہ تک پہنچا تھا اسی میکانکی انداز میں وہ مسجد کی جانب بڑھ گیا تھا، کوئی طاقت اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی، وضو خانہ میں جا کر اس نے وضو کیا اور ''اللہ اکبر'' کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی، اسے وقت کا اندازہ نہ تھا اس نے ظہر کی نماز کے لئے نیت باندھی تھی جبکہ عشاء کی اذان ہوئے بھی تقریباً چار گھنٹے گزر گئے تھے، وہ سجدہ میں گرا تو سر نہیں اٹھا پا رہا تھا، وہ ہچکیوں سے رونے لگا تھا اس کا وجود بری طرح لرز رہا تھا، وہ نماز میں سجدے میں کیا پڑھتے ہیں یکسر بھول گیا تھا، ہچکیوں کے درمیان ''اللہ، اللہ پکار رہا تھا۔

مسجد کی بالائی عمارت میں امام صاحب کا گھر بنا ہوا تھا، وہ عشاء کی نماز سے فراغت اور نمازیوں کے جانے کے بعد ایک دفعہ ضرور آ کر دیکھتے تھے کہ کوئی نمازی تو مسجد میں نہیں رہ گیا ہے، نمازیوں کے جانے کے بعد وہ داخلی دروازے کو مقفل کر دیتے تھے اور آج بھی اسی ارادے سے اندرونی دروازے سے مسجد میں داخل ہوئے تھے، رونے کی آواز اور ''اللہ، اللہ کی صدائیں وہ فطری طور پر پریشان ہوتے اس تک آئے تھے، کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا، کوئی ہلچل نہ پا کر انہوں نے اسے شانوں سے تھام کر سیدھا کرنا چاہا تھا وہ کچھ ان کی کوشش اور کچھ اپنے بل پر سیدھا ہو گیا تھا۔

امام صاحب نے اس شخص کو دیکھا تھا، جس کی عمر لگ بھگ 26،27 برس ہو گی اس کی سفید رنگت گریہ وزاری سے لہو رنگ ہو رہی تھی اور آنکھیں مستقل ساون برسا رہی تھیں انہوں نے مسجد کی امامت اور دیکھ بھال کے دوران ایسے کتنے ہی لوگ دیکھے تھے جو راہ سے بھٹکے ہوئے تھے اور ہر راہ سے بھٹک جانے والے کی آخری منزل یہی مقام ہوتا ہے کہ انسان اپنے اصل اور حقیقت سے ساری زندگی بھاگتا رہتا ہے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے نگاہ سچائی و حق سے چراتا رہتا ہے مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور وہ اسے دیکھتے ہی سمجھ گئے تھے کہ ایک اور رحمٰن کا بندہ رحمٰن کی بندگی کو تیار ہے، وہ مسکرا کر اس کی دلجوئی کرنے لگے تو وہ ٹوٹا بکھرا شخص ہمدردی و نرمی پا کر تڑپ اٹھا تھا، اس کے ماضی کے اوراق پھڑ پھڑانے لگے تھے اور ان کی ذرا سی نرمی پر جو کھلتے چلے گئے تھے، ایک پرانی

داستان نئی طریقے سے دہرانے کو تھی۔

☆☆☆

''مجھے نہیں کھانی یہ بے رنگ دال۔'' وہ نہ صرف چیخا بلکہ اس نے سٹیل کی پلیٹ میں تیرتی پتلی دال کو کینہ توز نگاہوں سے گھورتے ہوئے اٹھا کر پھینک دیا تھا، آسیہ جو اس کے چیخنے پر باورچی خانے سے نکل کر صحن میں آئی تھی، فرش پہ پھیلی دال کو دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت و دکھ سے پھٹ سی گئی تھیں اور وہ چیل کی طرح بیٹے پر جھپٹی اور اس کی کمر پر بے دریغ مکے برسانے لگی۔

چار سالہ ایمن اور پانچ سالہ امان جو روٹی ہاتھ میں لئے بیٹھے تھے بڑے بھائی کی کاروائی پر حسرت سے زمین پر پھیلی دال کو دیکھ رہے تھے، ماں کو بڑے بھائی کو پیٹتے دیکھ کر ڈر گئے کہ جب جب اس کی پٹائی ہوئی تھی تو وہ بھی ماں کے عتاب کا نشانہ ضرور بنتے تھے۔

''یہ کیا کر دیا ایمان اللہ تو نے؟ یہی ایک پلیٹ دال میں نے کیا کیا جتن کر کے بنائی تھی۔'' آسیہ بیٹے کو پیٹنے کے بعد افسوس سے بولتی باقاعدہ روتی حسرت سے اس دال کو تو کبھی اپنے سامنے کھڑے روٹی ہاتھ میں لئے دونوں بچوں کو دیکھنے لگتی تھی۔

''اماں! ساری زندگی تمہاری جتن کرتے گزر گئی، مگر تم ایک وقت کی روٹی بھی ہمیں نہ کھلا پائیں، یہ روز روز کالی تو پیلی دال کھا کر میں اوب چکا ہوں نہ کیا کر تو ان کالی پیلی دالوں کے لئے جتن۔''

گیارہ سالہ ایمان اللہ روتے روتے بولا تھا اور روٹی کی چنگیر کو لات مارتا جانے کو آگے بڑھا تھا۔

''کم بخت، رزق کی اتنی بے حرمتی، صرف تیری وجہ سے ہم دانے دانے کو محتاج ہو گئے ہیں۔'' آسیہ نے بھاگتے ہوئے بیٹے کی پیٹھ میں دھموکا جڑا تھا۔

''رزق کی بے حرمتی اونہہ ہم تو پیدائشی ہی دانے دانے کو ترسے ہوئے ہیں، کب تیرا اللہ ہم پر مہربان ہوا ہے جو ایسے کہہ رہی ہے۔'' وہ نفرت سے کہتا گھر سے نکل گیا تھا اور وہ ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔

ایمان اللہ کافی عرصے سے بدتمیزی کرنے لگا تھا، مگر آج جو اس نے کیا اور کہا وہ دہل گئی تھی، وہ سیدھی سادی عورت جس نے غریب مزدور کے گھر جنم لیا، بچپن سے جوانی تک غربت کی چکی میں پستی رہی، پانچ بہن بھائیوں میں اس کا پہلا نمبر تھا اور ماں کی دیکھا دیکھی اس میں اتنا ایثار آ گیا تھا کہ وہ اپنے حلق کا نوالہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے حلق میں اتار دیتی تھی، جب تک ماں زندہ رہی وہ بھوکی نہ سوئی تھی مگر ماں کے بعد وہ گھر والوں کے لئے ماں کی طرح نہ کھا کر کھانے کا ڈرامہ کرنا سیکھ گئی تھی۔

اسے بچپن سے ہی پڑھنے کا استانی بننے کا شوق تھا، پانچ جماعتیں جیسے تیسے اس نے پڑھی تھیں مگر ماں دمہ کی مریضہ بنی تو ماں کی خدمت اور گھر سنبھالنے کو اسکول کو خیر باد کہہ دیا، ثریا نے اسے قرآن پڑھنا سکھا دیا تھا، زندگی سے خوش نہیں تو وہ مطمئن ضرور تھی کہ اس کا شمار صابرین میں ہوتا تھا، سولہ برس کی ہوئی تو باپ نے اس کی شادی اٹھائیس سالہ منصور سے کر دی، جو سبزی فروش تھا، منصور کی ایک بہن تھی جو شادی شدہ تھی، باپ مر گیا تھا اور ماں سخت مزاج اور بد زبان اس نے آسیہ کا جب تک زندہ رہیں جینا حرام کیے رکھا، ساس کی سخت گیر طبیعت نے اسے ایمان اللہ پر توجہ دینے کا کم ہی موقع دیا تھا کہ وہ تھا بھی دادی کا لاڈلا، ماں سے زیادہ دادی کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

پاس رہتا تھا، اس کی ساس نے پوتے پوتیوں قبضہ کیا ہوا تھا جیسے اس سے آسیہ کا کوئی تعلق ہی نہ ہو، ساس جب فوت ہوئیں اس کا بڑا بیٹا چھ سال کا ہو گیا تھا اور ذہنی و قلبی طور پر ماں سے دور بھی، منصور سبزی کا ٹھیلا لگاتا تھا اچھی گزر بسر ہو جاتی تھی، وہ تیسری بار تخلیق کے عمل سے گزر رہی تھی کہ اس کے سر کا سائیں، محبت و عزت نچھاور کرنے والا اس کا شوہر بم دھماکے میں جاں بحق ہو گیا تھا، اس کی تو دنیا ہی اندھیر ہو گئی تھی، عدت اس نے منصور کے گھر میں ہی گزاری اس کی چھوٹی بہن اور بھائی وہاں آ گئے تھے، اس کے تو اپنے اور بچوں کے کھانے کے لالے پڑے تھے وہ بھائی بہن کو کہاں سے کھلاتی، اس کے غریب بوڑھے باپ نے جو پرچون (کریانے) کی دکان چلاتا تھا اس نے بیٹی کی اپنی بساط سے بڑھ کر مدد کی، گھر سے ہسپتال تک کا خرچہ اٹھایا، مگر وہ کب تک اس کا سہارا بن سکتے تھے، اس نے سلائی کے کپڑے سینے شروع کر دیئے، گھر کے حالات یکدم ہی بدل گئے تھے، باپ کے دیئے پیسوں اور سلائی سے ملنے والے پیسوں سے گھر کا خرچ چلانا اور ایمان اللہ کی تعلیم جاری رکھنا اس کے لئے بہت مشکل ثابت ہو رہے تھے، مگر اس نے تمام تنگی کے باوجود اسے اسکول سے نہ اٹھایا، کہ وہ خود پڑھنا چاہتی تھی پڑھ نہ سکی اب اسے تعلیم کی اہمیت مزید ہونے لگی تھی اس لئے وہ اپنے بچوں کو پڑھانا چاہتی تھی ایمان اللہ علاقے کے نسبتاً اچھے اسکول میں پڑھتا تھا جہاں فیس مناسب تھی، لیکن وہ فیس دینے کے بعد اتنے پیسے بچا نہیں پاتی تھی کہ گھر میں کچھ اچھا پکا لے، اور اب تو باپ بھی نہیں رہا تھا، بھائی دونوں اپنے گھر و زندگی میں مگن تھے اور اس کے تینوں بچے اسکول جانے لگے تھے سرکاری اسکول اس کے گھر سے بہت دور تھا اس لئے وہ بچوں کی پرائیوٹ اسکول میں پڑھانے پر مجبور تھی، سلائی سے پورا نہیں ہوتا تھا وہ گھروں میں کام کرنے لگی تھی، محنت کرنے اور پیسہ دانتوں سے کھینچ کھینچ کر خرچنے کے باوجود، کھانے کے لالے پڑے رہتے تھے، بچے بڑے ہو رہے تھے، ان کی ضروریات بڑھ رہی تھیں، ایمان اللہ گیارہ برس کا ہو گیا تھا وہ کافی کم گو بچہ تھا لیکن اس نے گھر میں اتنی کسمپرسی دیکھی تھی کہ وہ ہر غریب کی طرح وقت سے پہلے بڑا ہو گیا تھا اور اس کے اندر صبر برداشت کی کمی تھی وہ اپنی قسمت سے شاکی رہتا تھا اور اس کا اب اظہار بھی کرنے لگا تھا، آسیہ بیٹے کے تیوروں سے پریشان رہتی تھی اور آج کے واقعے نے تو اس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے تھے، اس نے دونوں بچوں کو سوکھی روٹی کھلا کر سلا دیا تھا اور ایمان اللہ کا انتظار کرنے لگی تھی اور اس کا انتظار سولہ سالوں پہ محیط ہو گیا تھا، ایمان اللہ کو اس نے بہت ڈھونڈا مگر وہ زمانے کی بھیڑ میں کھو گیا تھا، اس نے محنت مزدوری کر کے دونوں بچوں کو پڑھایا لکھایا تھا، گریجویشن کے بعد اس نے ایمن کی شادی کر دی تھی اور امان اللہ پرائیویٹ ایم اے کے پیپرز کی تیاری کے ساتھ آفس میں کام کر رہا تھا، آسیہ نے محنت مزدوری کرنا چھوڑ دی تھی کہ اس کا بیٹا اس قابل ہو گیا تھا وہ زندگی سے آج بھی مطمئن تھی لیکن خوش نہ تھی کہ اس کا ذہن و دل بٹ گئے تھے، اس نے دولخت ہو کر زندگی گزاری تھی، دو بچوں کو کھلاتے تیسرے کی بھوک کے خیال نے اسے کئی کئی روز بھوکا رکھا تھا، روتی تھی، تڑپتی تھی، اللہ سے اٹھتے بیٹھتے دعا کرتی تھی کہ اس کا بیٹا کہیں سے آ جائے اور اس کی دعائیں جب قبول ہوئیں تو تبھی وہ بہت روئی بہت تڑپی تھی، وہ بیٹے کو دیکھ کر خوش تو بہت ہوئی تھی مگر مطمئن نہ ہو پائی تھی، لمحے کے

ہزارویں حصے میں اس کا اطمینان غارت ہو گیا تھا وہ بیٹے کے منہ سے ''اماں'' سن کر بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپی اس کی منتائیں کرنے لگی تھی، اس نے اپنے لخت جگر کے منہ پر طمانچہ دے مارا تھا، بیٹے کو کھو کر رونے والی بیٹے کو پا کر بھی رو رہی تھی۔

☆☆☆

امان اللہ بچوں کے پاس کھلونے اور اچھے لباس دیکھ خود ترسی کا شکار ہونے لگا تھا، روز روز پتلی دال دیکھ اسے دال سے ہی نہیں اپنی زندگی اور اپنی ماں سے بھی نفرت ہو گئی تھی، وہ ایک اچھی زندگی گزارنا رہا تھا اسے دادی اور باپ بہت یاد آتے تھے، وہ ماں سے قریب تو پہلے ہی نہ تھا اب رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی تھی وہ بات بے بات ماں سے الجھنے لگا تھا، شکوے و شکایت ناشکری کو جنم دیتے ہیں اور وہ بھی ناشکری کے اندھے سفر پر کھلی آنکھوں سے گامزن ہو گیا تھا، گھر سے نکلا تھا، سمت کا تعین کیے بغیر، وہ بھوکا پیاسا سردی کی رات میں یخ بستہ ہواؤں سے کھلے آسمان تلے بیٹھا نبرد آزمائی کر رہا تھا، وہ گھر لوٹ جانا چاہتا تھا لیکن وہ جیسے اس ٹھنڈی سڑک پر جم گیا تھا، اس کے معصوم بچپن، غریب ماں باپ کی غربت و تنگ پرورش کو اس کی ننھی خواہشات اس کی ناشکری برائیوں کے اتھاہ سمندر میں کھینچ لے گئی تھی، سردی اور بھوک سے نڈھال بچے پر کسی کی نگاہ انتخاب ٹھہری تھی، تو وہ تھا شاہد رحیم جو چھوٹی عمر کے بچوں کو بہلا پھسلا کر چوری، ڈکیتی کی جانب مائل کر لیتا تھا، اس شخص نے کتنے ہی گھروں کے چراغ چھین کر ملک و قوم کے لئے ناکارہ و نقصان دہ افراد کو جنم دیا تھا اور وہ جو اچھے اور بہترین کا خواہشمند تھا لیکن اچھے و برے میں تمیز کرنے کی صلاحیت سے محروم تھا، اسے بھٹکایا گیا اور وہ بھٹک گیا، گھر کا راستہ ہی نہیں نیکی و اچھائی کا راستہ بھی فراموش کر گیا، اس کی ماں اسے پڑھا لکھا کر مفید شہری بنانا چاہتی تھی اور وہ انسانیت کے راستے سے ہی ہٹ گیا تھا، چوری کرنا اس کا کام تھا، اس کی تعلیم ادھوری رہ گئی تھی، اس نے کتنے ہی گھروں میں واردات کی تھی اور اس رات وہ ایک متوسط طبقے کے گھر میں چوری کرنے گئے تھے وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ گھر اس کا اپنا ہے اس کی ماں اس کی منتظر آنکھیں کچھ دیر قبل اسے سوچتے اس کی تصویر سے باتیں کرتے بند ہوئی تھیں اور وہ اپنے سامنے کھڑے خوبرو نوجوان کو نہیں پہچانی تھی کہ وہ گیارہ سال کا تھا جب اس سے دور ہوا تھا اور اس کے سامنے اب وہ چھبیس سالہ نوجوان کھڑا تھا پہچان کا مرحلہ طے ہوتا تو کیسے؟ مگر وہ اپنی ماں کو پہچان گیا تھا، وہ بہت بوڑھی اور کمزور ہو گئی تھی مگر وہ ماں کو پہچان گیا تھا اور اس کے لبوں سے سرسراتا ہوا ''اماں'' نکلا تھا، آسیہ اسے دیکھنے لگی تھی اور وہ ماں کی حیران بے یقین نگاہوں میں دیکھتا اسے شانوں سے تھام گیا۔

''اماں میں ہوں تمہارا ایمان اللہ۔'' وہ بڑی بے قراری سے بولا تھا اس کی بوڑھی بے رونق آنکھیں یکدم چمک اٹھی تھیں۔

''یار! یہاں آنے کا فیصلہ ہی غلط تھا، کچھ نہیں ملا، آج کی واردات تو ناکام چلی گئی، یہ تو بڑے ہی فقیر کنگلے ہیں۔'' وہ کوئی ردعمل ظاہر بھی نہیں کر پائی تھی کہ اس کی عمر کا لڑکا آ کر قدرے غصے سے بولا تھا۔

''دولت نہیں ساحر مجھے جنت مل گئی ہے۔'' اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا اور وہ بے اختیار پیچھے ہو گئی تھی۔

''اماں!'' وہ پکارا تھا اور آسیہ نے اسے تھپڑ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مار دیا تھا۔

''نہیں ہوں میں تیری ماں، دولت کی چاہ تھی نہ تجھے، دولت کے حصول کے لئے ماں کے گھر کو چھوڑ گیا تھا اور ایسے حاصل کی تو نے دولت، چوری چکاری کرکے، جنت نہیں ملے گی تجھے، لے جا جو دولت ہے یہاں اور مجھ سے میرے گھر سے تو تجھے صرف علم کی دولت مل سکتی تھی جو تجھے گوارہ نہ تھی، بھاگ جا آج بھی، ایمان اللہ، میرے پاس آج بھی تجھے دینے کو کچھ نہیں ہے، گیارہ برس کی عمر میں تو روٹی اور دال اٹھا کر پھینک گیا تھا، میرے گھر آج بھی وہی کالی دال اور سوکھی روٹی ہے اور تجھے حلال کی کالی دال نہیں حرام کے مرغ مسلم چاہیے تھے، جا بھاگ جا امان اللہ تیری غریب ماں کے پاس تجھے دینے کو آج بھی کچھ نہیں ہے، میرے پاس کالی دال ہے وہی رزق حلال کی کالی دال جو تجھے تیری ناشکری و خواہشات کو راس نہ آئی۔'' وہ بوڑھی عورت اس وقت اتنا نہ روئی تھی جب اس نے بیٹا کھویا تھا کہ اسے امید تھی کہ اس کا ایمان اللہ لوٹ آئے گا، اس نے ایمان اللہ کے ایمان اور اس کی سلامتی کی دعا کی تھی اور وہ تو سلامت تھا مگر اس کا ایمان سلامت نہ تھا، وہ شکستہ وجود سے ڈھے گئی تھی، فجر کی اذان ہو رہی تھی اور وہ ماں کے قدموں میں گرا معافی مانگ رہا تھا۔

''اماں! معاف کر دو مجھے، میری خواہشات نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا، شروع میں مجھے احساس نہ ہوا تھا اماں، لیکن جیسے جیسے وقت گزرا مجھے احساس ہوا اماں، کہ پتلی کالی دال جو میں مرغ مسلم کھاتا ہوں اس سے کئی گناہ اچھی تھی، میں بھٹک گیا تھا اماں، مجھے معاف کر دو، میں ہر برائی چھوڑ دوں گا، چوری ڈکیتی چھوڑ دوں گا، تم بس مجھے اپنے حصے کی کالی دال کا شریک بنا لو، اماں میں سولہ سال سے بھوکا ہوں جب سے کالی دال ٹھکرا کر گیا ہوں، پیٹ بھر کر کھا کر بھی بھوکا ہوں مجھے کالی دال دے دو اماں، مجھے بہت بھوک لگی ہے اماں، کھانا دے دو، رزق حلال کی اہمیت جان گیا ہوں، میرے پیٹ کی دوزخ حرام کی روٹی سے ٹھنڈی نہیں ہوتی، اپنے گھر کی حلال کی سوکھی روٹی دے دو۔'' وہ ماں کے قدموں میں سر رکھے تڑپ رہا تھا اور آسیہ کی آس کیا ٹوٹی تھی سانسوں کی ڈور بھی کچے دھاگے کی طرح ٹوٹتی چلی گئی تھی اور وہ بے آس و نامراد ماں کو دفنا کر بے سمت چل پڑا تھا، اس کی سمت اس کی ماں تھی جسے اس نے بدل دیا تھا اور بے سمت ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ اپنے گھر وقت بہت سا گزرنے کے بعد گیا تھا مگر وہاں کچھ نہ تھا آسیہ وہ بیٹے کے لوٹ آنے کی آس میں گھر چھوڑنا نہیں چاہتی تھی لیکن گھر میں آگ لگ گئی تھی اس کے پاس اتنا پیسہ نہ تھا کہ اسے بنوائی اس لئے اجڑ جانے والے گھر کو اس نے فروخت کر دیا تھا کرائے کے گھر میں رہنے لگے تھے اور گھر کے پیسوں سے ایمن کی شادی کر دی تھی، وہ دونوں بھائی بہن کم و زیادہ پر مطمئن رہے اس لئے آج کامیاب زندگی گزار رہے تھے اور اس نے ''کم'' پر گزارہ نہ کیا ''زیادہ'' کی خواہش میں خوشی و اطمینان کھو بیٹھا، وہ امام صاحب کو تمام حالات و واقعات بتا کر سسکنے لگا تھا۔

''امام صاحب! اماں سے کہیں کہ وہ مجھے معاف کر دیں، میں بہت بھوکا ہوں، مجھے کالی دال کھانے کو دیدیں۔'' وہ ان کے ہاتھ تھامے ہچکی لہجے میں بول رہا تھا اور وہ دلگرفتگی سے اس کی دلجوئی کرنے لگے تھے اسے سمجھا رہے تھے۔

''رزق حلال کی طرف لوٹ آؤ، اپنے اصل کی طرف پلٹ آؤ ایمان اللہ، برائی چوری سب چھوڑ دو، حلال کی سوکھی روٹی حرام کے من و سلویٰ کے آگے اہمیت نہیں رکھتی ہے، یہ بات تم سمجھ گئے ہو اور مزید وقت تمہیں سمجھا دے گا۔'' انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

''اماں نے مجھے معاف نہیں کیا، وہ خاموشی سے چلی گئی، اللہ بھی مجھے معاف نہیں کرے گا۔''

''تمہاری ماں نے تمہیں معاف کر دیا تھا اسے وقت نہ ملا کہ وہ لبوں سے اظہار کرتی اور اللہ بھی تمہیں معاف کر دے گا، تم ایک قدم بڑھاؤ وہ سات قدم بڑھ کر تمہیں تھامے گا، مایوسی و ناشکری سے نکل آؤ، ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرو، اللہ سے اپنے کیے کی معافی مانگو وہ تمہیں معاف کر دے گا۔'' انہوں نے اس کی درست راہنمائی کی تھی اور ایمان اللہ اپنے سچے ایمان کے ساتھ اپنے اصل کی طرف لوٹ گیا تھا، امام صاحب سے پیسے ادھار لے کر اس نے سبزی کا ٹھیلا لگانا شروع کر دیا تھا، امان اللہ بھی اس کے ساتھ تھا، اس کی سوچ بدل گئی، اندھی خواہشات اور ناشکری کے جذبات ذہن و دل سے نکلتے چلے گئے تھے، اس کی سوچ و عمل کی اچھائی اس کے زندگی میں مثبت تبدیلیاں، اطمینان و خوشی لانے لگی تھیں، وہ بے سمت نہیں رہا تھا، اس نے دیر سے ہی سہی اپنی سمتیں متعین کر لی تھیں کہ وہ جان گیا تھا بے سمت و بے منزل کا سفر آبلہ پائی کے سوا کچھ نہیں دیتا، ہم بھی نیکی، اچھائی، ایمان کی سمت سے بھٹک گئے ہیں اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے ہمیں اپنی سمت کا تعین کر لینا چاہیے چاہے وہ سمت و منزل کالی دال کی طرف لے جاتی ہو کہ کالی دال کتنی رنگین و ذائقہ دار ہزار ہا من و سلویٰ سے بڑھ کر ہوتی ہے یہ وہ بھی جان سکتے ہیں جنہوں نے آدھی کو چھوڑ کر پوری کے حصول کی کوشش کی تھی اور لمبی مسافت طے کرنے کے! ان پر منکشف ہوا تھا کہ وہ آدھی سے بھی گئے۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب .... ☆
خمار گندم .... ☆
دنیا گول ہے .... ☆
آوارہ گرد کی ڈائری .... ☆
ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... ☆
چلتے ہو تو چین کو چلیے .... ☆
نگری نگری پھرا مسافر .... ☆
خط انشا جی کے .... ☆
بستی کے اک کوچے میں .... ☆
چاند نگر .... ☆
دل وحشی .... ☆
آپ سے کیا پردہ .... ☆

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو .... ☆
انتخاب کلام میر .... ☆

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر .... ☆
طیف غزل .... ☆
طیف اقبال .... ☆

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبرز 7321690-7310797

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com